سلسلۂ اشاعت امامیہ مشن پاکستان رجسٹرڈ لاہور ۳۹

حسنؑ مجتبیٰؑ

شاہزادۂ امن سرکارِ صلح امام حسن علیہ السلام کی حیاتِ طیبہ کا مختصر تعارف
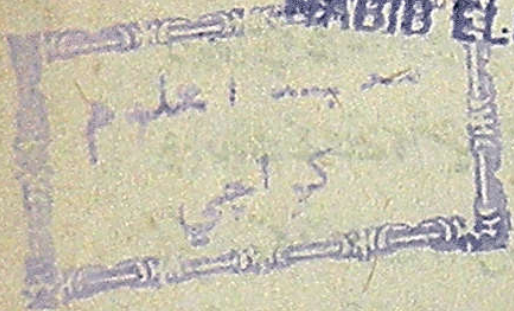
از قلم معجز رقم:-

سرکار سید العلماء علامہ سید علی نقی النقوی
مجتہد العصر لکھنؤ

قیمت ۲ آنے

امامیہ مشن پاکستان رجسٹرڈ لاہور

کا اکتالیسواں تبلیغی رسالہ "حسن مجتبیٰؑ" آپ کے ہاتھوں میں ہے جو امامیہ مشن لکھنؤ نے

شائع ہو کر سند قبولیت حاصل کر چکا ہے۔ اس صحیفہ مبارکہ میں سرکار امن حضرت امام حسن علیہ السلام کی

زندگی کے مختصر حالات ہیں۔ امامؑ کے شرائط صلح اور معاویہ کا مقصد جنگ نعوذ باللہ انوں کے مقصد حیات کو واضح کر

امامیہ مشن لکھنؤ نے چودہ معصومینؑ کی مختصر سوانح حیات شائع فرما کر قوم کی اہم ترین ضرورت کو

کرتے ہوئے اپنی بیدار مغزی اور روشن دماغی کا ثبوت دیا ہے۔ اختصار اتنا کہ ۱۶ صفحات کے

جزو میں پوری سوانح عمری سما جائے اور جامعیت کا یہ عالم کہ ضروری واقعات کے سمندر کو سمیٹ کر

میں سمو دیا ہے۔ اس اجمال کی تفصیل سے مبسوط کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ ان معصومینؑ کی ذوات

کی اہمیت یہ کہ ہر ذی شعور ابنِ آدم پر ان کی محبت واجب کر دی گئی ہے مگر ان کے حالات

پر مبسوط کتب کا علم حصول اور پھر پڑھنے کیلئے زندگی کی مصروفیات حائل اور ولادت و شہادت کے

دن حالات کے سننے کا اشتیاق بچوں کی تعلیم و تربیت کیلئے آسان زبان میں حالات پر مشتمل

کی کمی ان تمام مشکلات کا حل سرکار سید العلماء مدظلہ العالی نے اس اختصار نویسی سے کر دیا ہے

کیلئے قوم کما حقہٗ ان کے بار احسان سے سبکدوش نہیں ہو سکتی۔

اس قلیل القیمت اور کثیر المنفعت سلسلہ اشاعت سوانح حیات کا عظیم ترین فائدہ یہ ہے کہ

حضرات تک پہنچانے کیلئے مجالس و محافل میلاد میں ان کو بطور تبرک تقسیم کیا جا سکتا ہے اور جو

کسی وجہ سے مجلس و محفل میں شرکت نہ کر سکتے ہوں وہ اپنے اہل و عیال اعزہ و متوسلین کو اپنے گھر

جمع کر کے اس مختصر رسالہ کو پڑھ کر مستفید و ثواب ہو سکتے ہیں۔ ابنائے ملت سے اپیل ہے کہ ان

کو نہ صرف بچوں کی واقفیت کیلئے ہر گھر میں رکھیں بلکہ تبلیغ اشاعت کیلئے مشن سے رعائتی

منگوا کر اپنے محلہ میں مفت تقسیم کا اہتمام فرمائیں۔

خادم دین:۔ سید حسن علی شاہ کاظمی جنرل سیکرٹری امامیہ مشن پاکستان رجسٹرڈ لاہور

(مطبوعہ:۔ تعلیمی پریس بیرون اکبری گیٹ۔ لاہور)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انسانی زندگی کو اپنے راستے میں طرح طرح کے نرم اور گرم حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور ہر طرح کے حالات میں اپنے فرض کا محسوس کرنا چاہے وہ دلی خواہشوں اور طبیعت کے حوصلوں پر کتنا ہی بار ہو، یہی انسانیت کی روح اور اخلاق کی جان ہے اور اس کے لئے ایسے رہنماؤں کی سیرت زندگی کے مطالعہ کی ضرورت ہے جنہیں اپنے نفس پر قابو حاصل تھا اور جو ہر موقع پر جذبات سے نہیں بلکہ فرائض کے احساس سے کام لیتے تھے اور جنہوں نے دنیا کے سامنے ضبط و صبر و تحمل اور ایثار کے بہترین نمونے پیش کیے ہیں۔

آل محمد علیہم السلام میں یکے بعد دیگرے جو امام ہوتے رہے ان سب کی مجموعی سیرت ایک جامع انسانیت اور اخلاق کی کتاب ہے جس میں کہیں شجاعت کے مظاہرات ہیں کہیں علم کے، کہیں سخاوت کے کارنامے ہیں، کہیں ایثار کے۔ کہیں حکمت کے نمونے ہیں کہیں علم و معرفت کے۔ چونکہ ان حضرات کو حالات زمانہ یکساں نہیں ملے تھے۔ بلکہ زمانے کی کج رفتاری اور انقلابی چال سے ان کو مختلف حالات سے سابقہ پڑا اور ہر حالت کے موافق ان کو بہترین طرز عمل اختیار کرنا پڑا اس لئے نوع انسانی کی بہتری کے لئے ان میں سے ہر فرد کے حالات زندگی کا مطالعہ لازم ہو گیا کہ بغیر اس کے مطالعہ کے انسانیت کا ایک گوشہ تشنۂ ہدایت رہ جاتا ہے۔ اس لئے یہ سلسلہ حالات آئمہ کا پیش کیا جاتا ہے اور یہ اس سلسلہ کی دوسری کڑی ہے جس میں دوسرے امام حضرت امام حسن علیہ السلام کے حالات درج کئے جاتے ہیں۔

نام و نسب

حسن نام مجتبیٰ لقب اور ابو محمد کنیت تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی معزز بیٹی حضرت فاطمہ زہرا کے بطن سے حضرت امیر المومنین علی ابن ابیطالب

کے بڑے فرزند تھے۔

ولادت

۱۵ رماہ رمضان المبارک کو ہجرت کے تیسرے سال آپکی ولادت ہوئی رسول کے گھر میں آپکی پیدائش اپنی نوعیت کی پہلی خوشی تھی۔ جب مکہ معظمہ میں رسول کے بیٹے یکے بعد دیگرے دنیا سے جاتے رہے اور سوائے لڑکی کے آپ کی اولاد میں کوئی نہ رہا تو مشرکین طعنے دینے لگے اور آپ کو معاذ اللہ ابتر یعنی مقطوع النسل کہنے لگے۔ اس سے آپ کو بڑا صدمہ پہنچا اور آپ کی تسلی کیلئے قرآن مجید میں سورۂ کوثر نازل ہوئی جس میں آپکو خوشخبری دی گئی کہ خدا نے آپ کو کثرت اولاد عطا فرمائی ہے اور مقطوع النسل آپ نہیں بلکہ آپ کا دشمن ہوگا۔

حضرت امام حسن علیہ السلام کی مدینہ میں آنے کے تیسرے ہی سال پیدائش گویا سورۂ کوثر کی پہلی تفسیر تھی۔ دنیا جانتی ہے کہ انہی امام حسنؑ اور ان کے چھوٹے بھائی امام حسین علیہ السلام کے ذریعہ سے اولادِ رسولؐ کی وہ کثرت ہوئی کہ باوجود ان کوششوں کے جو دشمنوں کی طرف سے اس خاندان کے ختم کرنے کی ہمیشہ ہوتی رہیں جن میں ہزاروں کو سولی دے دی گئی ہزاروں تلوار سے قتل کئے گئے اور کتنوں کو زہر دیا گیا۔ اس کے باوجود آج بھی دنیا آلِ رسولؐ کی نسل سے چھلک رہی ہے۔ عالم کا کوئی گوشہ مشکل سے ایسا ہوگا جہاں اس خاندان کے افراد موجود نہ ہوں۔ جبکہ رسولؐ کے دشمن جن کی اس وقت کثرت سے اولاد موجود تھی ایسے تباہ ہوئے کہ نام و نشان بھی انکا کہیں نظر نہیں آتا یہ ہے قرآن کی سچائی اور رسولؐ کی صداقت کا زندہ ثبوت جو دنیا کی آنکھوں کے سامنے ہمیشہ کے لئے موجود ہے اور اس لئے امام حسن علیہ السلام کی پیدائش سے پیغمبرؐ کو ویسی ہی خوشی نہیں ہوئی جیسی ایک نانا کو نواسے کی ولادت سے ہونا چاہیے۔ بلکہ آپ کو خاص

مسرت یہ ہوئی کہ آپکی سچائی کی پہلی نشانی دنیا کے سامنے آئی۔ ساتویں دن عقیقہ کی رسم ادا ہوئی اور پیغمبرؐ نے بحکم خدا اپنے اس فرزند کا نام حسنؑ رکھا۔ یہ نام اسلام کے پہلے نہیں ہوا کرتا تھا۔ یہ سب سے پہلے پیغمبرؐ کے انہی فرزند کا نام قرار پایا جس طرح حسینؑ ان کے چھوٹے بھائی کا نام بھی بس انہی سے مخصوص تھا۔ انکے پہلے کسی کا یہ نام نہ ہوتا تھا۔

تربیت

حضرت امام حسن علیہ السّلام کو تقریباً آٹھ برس اپنے نانا رسول اللہؐ کے سایۂ عاطفت میں رہنے کا موقع ملا۔ رسالت مآبؐ اپنے اس نواسے سے قلبی محبت فرماتے تھے اس کے واقعات دیکھنے والوں نے ہمیشہ یاد رکھے۔ اکثر حدیثیں محبت اور فضیلت کی حسنؑ اور حسینؑ دونوں صاحبزادوں میں مشترک ہیں مثلاً حسنؑ اور حسینؑ جوانان بہشت کے سردار ہیں۔ دونوں گوشوارۂ عرش ہیں۔ یہ دونوں میرے گلدستے ہیں۔ خداوندا میں ان دونوں سے محبت رکھتا ہوں تو بھی انکو محبوب رکھنا اور اسطرح کے بے شمار ارشادات پیغمبرؐ کے دونوں نواسوں کے بارے میں کثرت سے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ عام قاعدہ یہ ہے اولاد کی نسبت باپ کی جانب ہوتی ہے مگر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے ان دونوں نواسوں کی یہ خصوصیت صراحت کے ساتھ بتائی ہے کہ انہیں میرا صرف نواسہ نہیں بلکہ میرا فرزند کہنا درست ہے۔

یہ حدیث حضرتؐ کی تمام اسلامی حدیث کی کتابوں میں درج ہے۔ حضرتؐ نے فرمایا خدا نے ہر شخص کی اولاد کو خود اس کے صلب سے قرار دیا اور میری اولاد کو اس نے علی ابن ابی طالبؑ کی صلب سے قرار دیا۔ پھر بھلا ان بچوں کی تربیت میں پیغمبرؐ کس قدر اہتمام صرف کرنا ضروری سمجھتے ہوں گے۔ جب کہ خود بچے بھی وہ تھے جنہیں قدرت نے

طہارت و عصمت کا لباس پہنا کر بھیجا تھا۔ ایک طرف آئینے اتنے صاف اس پر رسول کے
ہاتھ کی جلا، نتیجہ یہ تھا کہ بچے کمسنی ہی میں نانا کے اخلاق و اوصاف کی تصویر بن گئے۔ خود
حضرت نے انکے بارے میں ارشاد فرمایا کہ حسنؑ میں میرا رعب و داب اور شانِ سرداری
ہے اور حسینؑ میں میری سخاوت اور میری جرأت ہے۔ شانِ سرداری گو مختصر لفظ ہے مگر اس میں
بہت سے اوصاف کمال کی جھلک نظر آرہی ہے۔ اسکے ہوتے ساتھ ساتھ مختلف صورتوں سے رسول نے
اپنے مشن کے کام میں انکو اسی بچپن کے عالم میں شریک بھی کیا جس سے یہ ثابت بھی ہوا کہ پیغمبر اپنے
بعد حفاظت اسلام کی مہم کو اپنے ہی اہلبیتؑ کے سپرد کرنا چاہتے ہیں۔ اسکا ایک موقع مباہلے کے
میدان میں تھا۔ جہاں حضرت امام حسنؑ بھی اپنے نانا کے ساتھ ساتھ تھے۔

۲ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ کو جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوگئی اور امام
حسن علیہ السلام اس مسرت اور اطمینان کی زندگی سے محروم ہوگئے۔ نانا کی وفات
کے تھوڑے ہی دن کے بعد امام حسنؑ کو اپنی مادرِ گرامی حضرت فاطمہ زہراؑ کی وفات کا
صدمہ اٹھانا پڑا۔ اب حسنؑ کیلئے گہوارۂ تربیت اپنے مقدس باپ حضرت علیؑ ابن ابی
طالبؑ کی ذات تھی۔ حسنؑ اسی دور میں جوانی کی حد تک پہنچے اور کمال شباب کی
منزلوں کو طے کیا۔ پچیس برس کی خانہ نشینی کی بعد جب حضرت علیؑ ابن ابی طالب علیہ السلام
کو مسلمانوں نے خلیفۂ ظاہری کی حیثیت سے تسلیم کیا اور اس کے بعد جمل صفین اور
نہروان کی لڑائیاں ہوئیں تو ہر ایک جہاد میں حسن علیہ السلام اپنے والد بزرگوار کے ساتھ
ساتھ تھے۔ بلکہ بعض موقعوں پر جنگ میں آپ نے کارہائے نمایاں بھی دکھلائے۔

خلافت

۲۱ ماہ رمضان سنہ ۴۰ھ میں حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ علیہ السلام کی
شہادت ہوئی۔ اس وقت تمام مسلمانوں نے مل کر حضرت امام حسن علیہ السلام

خلافت تسلیم کی، آپ پر اپنے والد بزرگوار کی شہادت کا بڑا اثر تھا۔ سب سے پہلا خطبہ جو
آپ نے ارشاد فرمایا اس میں حضرت علیؑ ابن ابیطالبؑ کے فضائل و مناقب تفصیل کے ساتھ
بیان کیے۔ جناب امیرؑ کی سیرت اور مال دنیا سے پرہیز کا تذکرہ کیا۔ اس وقت آپ پر گریہ
کا اتنا غلبہ تھا کہ گلے میں پھندا پڑ گیا، اور تمام لوگ بھی آپ کے ساتھ بے اختیار رونے لگے
پھر آپ نے اپنے ذاتی اور خاندانی فضائل بیان کیے۔ عبداللہ ابن عباسؓ نے کھڑے
ہو کر تقریر کی اور لوگوں کو بیعت کی دعوت دی۔ سب نے انتہائی خوشی اور رضامندی کے
ساتھ بیعت کی۔ آپ نے مستقبل کے حالات کا صحیح اندازہ کرتے ہوئے اسی وقت لوگوں
سے صاف صاف یہ شرط کر دی کہ "اگر میں صلح کر لوں تو تم کو صلح کرنی ہوگی اور اگر میں
جنگ کر لوں تو تمہیں میرے ساتھ مل کر جنگ کرنا ہوگی"۔ سب نے اس شرط کو قبول کر لیا۔
آپ نے انتظام حکومت اپنے ہاتھ میں لیا۔ اطراف میں عمال مقرر کیے، احکام معین کیے
اور مقدمات کے فیصلے کرنے لگے۔

یہ وقت وہ تھا کہ دمشق میں امیر شام معاویہ کا تخت سلطنت پر قبضہ مضبوط ہو چکا تھا۔
حضرت علی ابن ابی طالبؑ کے ساتھ صفین میں جو لڑائیاں امیر شام کی ہوئی تھیں انکا
تحکیم کی سازشانہ کاروائی کی بدولت امیر شام کے موافق نکل چکا تھا۔ ادھر حضرت علیؑ
ابن ابی طالب کی سلطنت کے اندر جہاں اب حضرت امام حسنؑ حکمران ہوئے تھے باہمی تفرقے
اور بددلی پیدا ہو چکی تھی۔ خود جناب امیرؑ کے احکام کی تعمیل میں جس طرح کوتاہیاں کی جاتی
تھیں وہ حضرت کے آخر عمر کے خطبوں سے ظاہر ہے۔ خوارج نہروان کا فتنہ مستقل طور پر
بے چینی کا باعث بنا ہوا تھا جنکی اجتماعی طاقت کو اگرچہ نہروان میں شکست ہو گئی تھی مگر
منتشر افراد اب بھی ملک کے امن و امان کو صدمہ پہنچانے پر تلے ہوئے تھے۔ یہاں تک

کہ بظاہر اسی جماعت کا ایک شخص تھا جس نے حضرت امیرؑ کے سر پر مسجد میں ضرب لگائی اور جس کے ز

سے آپ کی وفات ہوئی تھی۔

ابھی ملک حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ کے غم میں سوگوار تھا اور حضرت امام حسنؑ پورے طور
انتظامات بھی نہ کر چکے تھے کہ امیر شام کی طرف سے آپکی مملکت میں دراندازی شروع
اور ان کے خفیہ کارکنوں نے اپنی کارروائیاں جاری کر دیں۔ چنانچہ ایک شخص قبیلہ حمیر کا کوفہ میں
ایک شخص بنی قین میں سے بصرہ میں پکڑا گیا۔ یہ دونوں اس مقصد سے آئے تھے کہ یہاں
حالات سے دمشق میں اطلاع دیں اور فضا کو امام حسنؑ کے خلاف ناخوشگوار بنائیں۔ غنیم
ہے کہ اس کا انکشاف ہو گیا۔ حمیر والا آدمی کوفہ میں ایک قصائی کے گھر سے اور قین وا
بصرہ میں بنی سلیم کے یہاں سے گرفتار کیا گیا اور دونوں کو جرم کی سزا دی گئی۔ اس و
کے بعد حضرت امام حسنؑ نے معاویہ کو ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ "تم اپنی د
سے نہیں باز آتے، تم نے لوگ بھیجے ہیں کہ میرے ملک میں بغاوت پیدا کرائیں ا
اپنے جاسوس یہاں پھیلا دیئے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ تم جنگ کے خواہشمند ہو، ایسا ہے
پھر تیار رہو، یہ منزل کچھ دور نہیں ہے، نیز مجھ کو خبر ملی ہے کہ تم نے میرے باپ کی وفا
پر طعن و تشنیع کے الفاظ کہے۔ یہ ہرگز کسی ذی ہوش آدمی کا کام نہیں ہے۔ موت
سب کیلئے ہے۔ آج ہمیں اس حادثے سے دوچار ہونا پڑا تو کل تمہیں ہونا پڑیگا اور حقیقت یہ
کہ ہم اپنے مرنے والے کو مرنے والا سمجھتے نہیں۔ وہ تو ایسا ہے جیسے ایک منزل سے منتقل
اپنی دوسری منزل میں جاکر آرام کی نیند سو جائے"۔

اس خط کے بعد امیر شام اور امام حسنؑ کے درمیان بہت سے خطوط کی ردوبدل ہوئی
شام کو اپنے جاسوسوں کے ذریعے سے اہل کوفہ کے باہمی تفرقہ اور بدحالی اور عملی کمز

کا علم ہوگیا اس لئے وہ سوچے کہ یہی موقعہ ہے کہ عراق پر حملہ کر دیا جائے چنانچہ وہ اپنی فوجوں کو لے کر عراق کے حدود تک پہنچ گئے۔ اسوقت حضرت امام حسنؑ نے بھی مقابلہ کی تیاری کی اور حجر ابن عدی کو بھیجا کہ وہ دورہ کر کے اطراف ملک کے حکام کو مقابلے کے لئے آمادہ کریں اور لوگوں کو جہاد کیلئے تیار کریں مگر جو خیال تھا وہی ہوا کہ عام طور پر سرد مہری سے کام لیا گیا۔ تھوڑی فوج تیار ہوئی تو اس میں کچھ فرقہ خوارج کے لوگ تھے، کچھ شورش پسند اور مال غنیمت کے طلبگار، اور کچھ لوگ صرف اپنے سرداران قبائل کے دباؤ سے شریک تھے۔ بہت کم وہ لوگ تھے جو واقعی حضرت علیؑ اور امام حسنؑ کے شیعہ سمجھے جا سکتے ہوں۔

ادھر معاویہ نے عبد اللہ ابن عامر ابن کریز کو آگے روانہ کیا اور اس نے مقام انبار میں جا کر چھاؤنی چھائی۔ ادھر حضرت امام حسنؑ اس کے مقابلے کے لئے روانہ ہوئے اور مقام دیر کعب کے قریب ساباط میں قیام کیا۔ یہاں پہنچ کر آپ نے لوگوں کی حالت کا جائزہ لینے کے لئے سب کو جمع کر کے ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس کا مضمون یہ تھا کہ "دیکھو مجھے کسی مسلمان سے کینہ نہیں ہے۔ میں تمہارا اتنا ہی بہی خواہ ہوں جتنا خود اپنی ذات کی نسبت مجھے ہونا چاہئے۔ میں تمہارے بارے میں ایک فیصلہ کن رائے قائم کر رہا ہوں۔ امید ہے کہ تم میری رائے سے انحراف نہ کرو گے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم میں سے اکثر کی ہمت جہاد سے پست ہو گئی ہے اور میں کسی طرح یہ صحیح نہیں سمجھتا کہ تمہیں بادل ناخواستہ کسی مہم پر مجبور کروں"

اس تقریر کا ختم ہونا تھا کہ مجمع میں ہنگامہ پیدا ہو گیا۔ یقینی علیؑ ایسے بہادر باپ کا بہادر فرزند تنہا اس ہنگامہ آور جماعت کا مقابلہ کرنے کیلئے کافی تھا اگر یہ کھلم کھلا دشمنوں کی جماعت ہوتی۔ مگر اس کے پہلے خود حضرت علیؑ بھی اسوقت ایسے ہی بے بس ہو گئے تھے جب نیزوں پر قرآن اونچے کئے جانے کے بعد صفین میں خود آپکی فوج کے اعلی آپکو

گھیر کر کھڑے ہو گئے تھے کہ اب آپ جنگ کو روکئے نہیں تو ہم آپکو قید کر کے دشمن کے سپرد کر دیں گے۔ اسوقت جناب امیرؑ نے ایسا نہیں کیا کہ تلوار لیکر ان سے لڑنے لگتے بلکہ مجبوراً جنگ کو ملتوی فرمایا۔ اس سے زیادہ سخت صورت سے اسوقت امام حسنؑ کو سامنا کرنا پڑا کہ مجمع نے آپ پر حملہ کر دیا اور مصلا قدم کے نیچے سے کھینچ لیا۔ چادر آپکے دوش سے اتار لی۔ آپ گھوڑے پر سوار ہوئے اور آواز بلند کی کہ کہاں ہیں "ربیعہ اور ہمدان" فوراً یہ دونوں جان نثار قبیلے ادھر اُدھر سے دوڑ پڑے اور لوگوں کو آپ سے دور کیا۔ آپ یہاں سے مدائن کی طرف روانہ ہوئے۔ مگر جراح ابن قبیصہ اسدی ایک شخص انہی خوارج میں سے کمین گاہ میں چھپ گیا اور اس نے آپ پر خنجر سے حملہ کیا جس سے آپ کی ران زخمی ہو گئی۔ حملہ آور گرفتار کیا گیا۔ اور اسے سزا دی گئی۔ عرصہ تک مدائن میں علاج ہونے کے بعد آپ اچھے ہوئے اور پھر معاویہ کی فوج سے مقابلہ کی تیاری کی۔

صلح

امیر شام کو حضرت امام حسن علیہ السلام کی فوج کی حالت اور لوگوں کی بیوفائی کا حال معلوم ہو چکا تھا اسلئے وہ سمجھتے تھے کہ امام حسن علیہ السلام کیلئے جنگ کرنا ممکن نہیں ہے مگر اس کے ساتھ وہ یہ بھی یقین رکھتے تھے کہ حضرت امام حسن علیہ السلام کتنے ہی بے بس اور بے کس ہوں مگر وہ علیؑ و فاطمہؑ کے بیٹے اور پیغمبرؐ کے نواسے ہیں اس لیئے وہ ایسے شرائط پر ہرگز صلح نہ کریں گے جو حق پرستی کے خلاف ہوں اور جن سے باطل کی حمایت ہوتی ہو اسکو نظر میں رکھتے ہوئے انھوں نے ایک طرف تو آپکے ساتھیوں کو عبد اللہ ابن عامر کے ذریعہ سے یہ پیغام دلوایا کہ اپنی جان کے پیچھے نہ پڑو اور خونریزی نہ ہونے دو۔ اس سلسلے میں کچھ لوگوں کو رشوتیں بھی دی گئیں اور کچھ بزدلوں کو اپنی تعداد کی زیادتی سے خوفزدہ کیا گیا اور دوسری طرف حضرت امام حسنؑ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ جن شرائط پر کہیں انہی شرائط پر میں صلح کیلئے تیار ہوں۔

امام حسنؑ یقیناً اپنے ساتھیوں کی غداری کو دیکھتے ہوئے جنگ کرنا مناسب نہ سمجھے

تے لیکن اسی کے ساتھ ساتھ یہ ضرور پیش نظر تھا کہ ایسی صورت پیدا ہو کر باطل کی تقویت کا
دھبہ میرے دامن پر نہ آنے پائے۔ اس گھرانے کو حکومت و اقتدار کی ہوس تو کبھی تھی ہی نہیں
نہیں تو مطلب اس سے تھا کہ مخلوق خدا کی بہتری ہو اور حدود و حقوق الٰہی کا احترام ہو۔ اب امیر معاویہ نے
آپ سے منہ مانگے شرائط پر صلح کرنے کیلئے آمادگی ظاہر کی تو اب مصالحت سے انکار کرنا شخصی اقتدار
کی خواہش کے علاوہ اور کچھ نہیں قرار پا سکتا تھا۔ یہ کہ امیر شام صلح کے شرائط پر عمل نہ کریں گے
بعد کی بات تھی جب تک صلح نہ ہوتی یہ انجام سامنے آ کہاں سکتا تھا اور حجت تمام کیونکر
ہو سکتی تھی، پھر بھی آخری جواب دینے سے قبل آپ نے ساتھ والوں کو جمع کیا اور تقریر فرمائی
"آگاہ رہو کہ تم میں وہ خونریز لڑائیاں ہو چکیں ہیں جن میں بہت لوگ قتل ہوئے، کچھ مقتول
صفین میں ہوئے جن کے لیے آج تک رو رہے ہو اور کچھ مقتول نہروان کے جن کا معاوضہ
طلب کر رہے ہو، اب اگر تم موت پر راضی ہو تو ہم اس پیغام صلح کو قبول نہ کریں اور ان سے
خدا کے بھروسے پر تلواروں سے فیصلہ کرائیں اور اگر زندگی کو دوست رکھتے ہو تو ہم اس کو
قبول کر لیں اور تمہاری مرضی پر عمل کریں"۔ جواب میں لوگوں نے ہر طرف سے پکارنا شروع
کیا کہ "ہم زندگی چاہتے ہیں، ہم زندگی چاہتے ہیں، آپ صلح کر لیجیئے" اس کا نتیجہ تھا کہ آپ
نے صلح کے شرائط مرتب کر کے معاویہ کے پاس روانہ کیئے۔

شرائط صلح

اس صلحنامے کے مکمل شرائط حسب ذیل تھے:۔

(۱) یہ کہ معاویہ حکومت اسلام میں کتاب خدا اور سنت رسولؐ پر عمل کریں گے۔
(۲) یہ کہ معاویہ کو اپنے بعد کسی خلیفہ کے نامزد کرنے کا حق نہ ہوگا۔
(۳) یہ کہ شام و عراق و حجاز و یمن سب جگہ کے لوگوں کے لئے امان ہوگی۔
(۴) یہ کہ حضرت علیؑ کے اصحاب اور شیعہ جہاں بھی رہیں ان کے جان و مال اور ناموس

و اولاد محفوظ رہیں گے۔

(۵) معاویہ حسنؑ ابن علیؑ اور ان کے بھائی حسینؑ ابن علیؑ اور خاندانِ رسولؐ
میں سے کسی کو بھی نقصان پہنچانے یا ہلاک کرنے کی کوشش نہ کریں گے نہ خفیہ طریقہ
اور نہ علانیہ اور ان میں سے کسی کو کسی جگہ دھمکایا اور ڈرایا نہیں جائیگا۔

(۶) جناب امیر علیہ السلام کی شان میں کلمات ناز یبا جو اب تک مسجد جامع اور قنوت
میں استعمال ہوتے رہے ہیں وہ ترک کر دیئے جائیں۔ آخری شرط کی منظوری میں معاویہ
عذر ہوا تو یہ طے پایا کہ کم از کم جس موقعہ پر امام حسن علیہ السلام موجود ہوں اس وقت
نہ کیا جائے۔ یہ معاہدہ ربیع الاول یا جمادی الاولی ۴۱ھ کو عمل میں آیا۔

صلح کے بعد

فوجیں واپس گئیں۔ معاویہ کی شہنشاہی ممالک اسلامیہ میں عمومی طور
مستقل ہوگئی اور اب شام و مصر کے ساتھ عراق و حجاز یمن اور ایران نے
بھی اطاعت کر لی حضرت امام حسن علیہ السلام کو اس صلح کے بعد اپنے بہت سے ساتھیوں
کی طرف سے جس طرح کے دل خراش اور توہین آمیز الفاظ کا سامنا کرنا پڑا ان کو برداشت
کرنا انہی کا کام تھا۔ وہ لوگ جو کل تک امیر المومنین کہہ کے تسلیم بجا لاتے تھے "آج
مذل المومنین" یعنی مومنین کی جماعت کو ذلیل کرنے والے کے الفاظ سے سلام کرنے
لگے۔ مگر امام حسن علیہ السلام نے صبر، استقلال اور نفس کی بلندی کے ساتھ ان
ناگوار حالات کو برداشت کیا اور معاہدہ پر سختی کے ساتھ قائم رہے مگر ادھر یہ ہوا
امیر شام نے جنگ کے ختم ہوتے ہی اور سیاسی اقتدار کے مضبوط ہوتے ہی عراق
داخل ہو کر نخیلہ میں جسے کوفہ کی سرحد سمجھنا چاہئے قیام کیا اور جمعہ کے خطبہ کے بعد یہ
اعلان کر دیا کہ "میرا مقصد جنگ سے کوئی یہ نہ تھا کہ تم لوگ نماز پڑھنے لگو روزے رکھنے

...گو خرچ کر دیا نہ کہ ادا کرو۔ یہ سب تو تم کرتے ہی ہو۔ میرا مقصد تو لیس یہ تھا کہ میری
حکومت تم پر مسلط ہو جائے۔ اور یہ مقصد میرا حسنؑ کے اس معاہدہ کے بعد پورا ہو گیا۔
اور باوجود تم لوگوں کی ناگواری کے خدا نے مجھے کامیاب کر دیا۔ رہ گئے وہ شرائط جو میں
نے حسنؑ کے ساتھ کئے ہیں وہ سب میرے پیروں کے نیچے ہیں، ان کا پورا کرنا یا نہ کرنا
میرے ہاتھ کی بات ہے۔ " مجمع میں ایک سناٹا چھایا ہوا تھا۔ مگر اب کس میں دم تھا کہ وہ
اس کے خلاف زبان کھولتا۔ اتفاق ہے کہ کوفہ میں امام حسنؑ اور امام حسینؑ کی موجودگی
میں امیر شام نے حضرت امیرؑ اور امام حسنؑ کی شان میں کلمات نا زیبا استعمال
کئے جن کو سن کر امام حسینؑ بھائی کی جانب سے جواب دینے کیلئے کھڑے ہو
گئے مگر حضرت امام حسنؑ نے آپ کو بٹھا دیا۔ اور خود کھڑے ہو کر نہایت مختصر اور جامع
لفظوں میں امیر شام کی تقریر کا جواب دیا۔ اسی طرح جتنی شرطیں معاہدہ کی تھیں امیر شام
تھیں امیر شام نے سب کی مخالفت کی اور کسی ایک پر بھی عمل نہیں کیا۔
باوجودیکہ آپ بالکل خاموشی کی زندگی گزار رہے تھے مگر آپ خود بھی اس
میں بنی امیہ کی ایذا رسانیوں سے محفوظ نہیں تھے۔ ایک طرف غلط پروپیگنڈے
بے بنیاد الزامات جن سے ان کی بلندی مرتبہ پر عام نگاہوں میں حرف آئے۔ مثلاً کثرت
ازدواج اور کثرت طلاق۔ یہ چیز اپنی جگہ پر شریعت اسلام میں جائز ہے مگر بنی امیہ کے
پروپیگنڈے نے اسکو حضرت امام حسنؑ کی نسبت ایسے ہولناک طریقے پر پیش کیا۔ جو
قابل قبول نہیں ہے۔ دوسرے بنی امیہ کے ہوا خواہوں کا برا برتاؤ سخت کلامی
امیر شام ہی اسکا اندازہ امام حسینؑ کے ان الفاظ سے ہوتا ہے جو آپ نے مروان سے
کہے تھے جب امام حسنؑ کے جنازے کے ساتھ مروان رو رہا تھا امام حسینؑ

علیہ السلام نے فرمایا "آج تم لیتے ہو، حالانکہ اس سے پہلے تم انہیں غم و غصہ کے گھونٹ
پلاتے تھے جنہیں دل ہی خوب جانتا ہے۔" مروان نے کہا "ٹھیک ہے مگر وہ سب
ایسے انسان سے کرتا تھا جو اس پہاڑ سے زیادہ قوتِ برداشت رکھنے والا تھا

اخلاق و اوصاف

امام حسنؑ کی ایک غیر معمولی صفت جس کے دوست اور دشمن
سب معترف تھے وہ یہی حلم کی صفت تھی جس کا اندازہ
ابھی مروان کی زبان سے آپ سن چکے ہیں۔ حکومت شام کے ہوا خواہ صرف اس لئے
بہانہ بوجھ کر سخت کلامی اور بد زبانی کرتے تھے کہ امام حسن علیہ السلام کو غصہ آجائے
اور کوئی ایسا اقدام کر دیں جس سے عہد شکنی کا الزام آپ کی طرف عائد کیا جائے
اور اسطرح خونریزی کا ایک بہانہ ہاتھ آئے۔ مگر آپ ایسی صورتوں میں حیرتناک قوت
برداشت سے کام لیتے تھے جو کسی دوسرے انسان کا کام نہیں ہے۔ آپ کی سخاوت
اور مہمان نوازی بھی عرب میں مشہور تھی۔ آپ نے تین مرتبہ اپنا تمام مال راہ خدا
میں لٹا دیا اور دو مرتبہ تمام اپنی ملکیت۔ یہاں تک کہ اثاث البیت اور لباس تک
آدھوں آدھ راہ خدا میں دے دیا۔

سائلوں کو ایک ایک دفعہ میں ہزار اور دس روپے دے دیئے ہیں اور حقیقت
ہیں معاویہ کے ساتھ شرائط صلح میں جو بہت سے مورخین کے بیان کے
مطابق ایک خاص رقم کی شرط ملتی ہے کہ معاویہ کی جانب سے ہر سال امام
علیہ السلام کے پاس روانہ کی جائے۔ وہ اگر صحیح ہو تو اس کا مقصد صرف
یہی تھا کہ اس ذریعے سے مسلمانوں کے بیت المال کا کچھ روپیہ مستحقین تک
بھی پہنچ سکے۔ ہرگز اپنی ذات پر صرف کرنے کے لئے آپ نے اس رقم کو

شرط قرار نہیں دی تھی۔ چنانچہ جو کچھ پاس موجود ہوتا تھا چاہے زیادہ سے زیادہ رقم کیوں نہ ہو آپ فوراً سائلوں کو عطا فرما دیتے تھے۔ کسی نے آپ سے پوچھا کہ باوجودیکہ آپ خود ضرور تمند ہیں پھر بھی کیا بات ہے کہ سائل کو رد نہیں فرماتے" آپ نے فرمایا "میں خود خدا کی بارگاہ کا سائل ہوں، مجھے شرم آتی ہے کہ خود سائل ہوتے ہوئے دوسرے سائلوں کے سوال کو رد کر دوں۔ اس صورت میں مجھے کیا حق ہوگا کہ میں اپنے خدا سے اپنے سوال کے پورا ہونے کی تمنا رکھوں"

اس کے ساتھ آپ کے علمی کمالات بھی وہ تھے جن کے سامنے دنیا سر خم کرتی تھی۔ اگرچہ عبداللہ ابن عباس، امیرالمومنینؑ سے حاصل کئے ہوئے علوم سے دنیائے علم میں اپنا ڈنکا بجا رہے تھے۔ مگر جب امام حسن علیہ السلام کے خداداد علم کا سامنا ہو جاتا تھا تو خاندانِ رسالتؐ کی برتری کا دنیا کو اقرار کرنا پڑتا تھا۔ چنانچہ ایک سائل نے مسجدِ نبوی میں آ کر ایک آیت کی تفسیر ابن عباس سے بھی پوچھی۔ عبداللہ ابن عمر سے بھی پوچھی اور پھر امام حسن علیہ السلام سے دریافت کی۔ اور آخر میں اس نے اقرار کیا کہ امام حسن علیہ السلام کا جواب یقیناً ان دونوں سے بہتر تھا۔ اگر آپ نے اپنے دشمن معاویہ کے دربار اور وہاں کے مخالف ماحول میں فضائل اہلبیت اور مناقب امیرالمومنین پر ایسی مؤثر تقریریں فرمائی ہیں کہ دشمنوں کے سر جھک گئے اور آپ کی فصاحت و بلاغت اور حقانیت کا ان کے دلوں پر سکہ قائم ہو گیا۔

عبادت بھی آپ کی امتیازی حیثیت رکھتی تھی۔ بیس ۲۰ یا پچیس ۲۵ حج

پا پیادہ گئے۔ جب موت، قبر، قیامت اور صراط کو یاد فرماتے تھے تو رونے لگتے تھے۔ جب بارگاہِ الٰہی میں اعمال کے پیش ہونے کا خیال آتا تھا تو ایک نعرہ مار کر بے ہوش ہو جاتے تھے اور جب نماز کو کھڑے ہوتے تھے تو جسم لرزنے لگتا تھا۔

وفات

اس بے ضرر اور خاموش زندگی کے باوجود بھی امام حسن علیہ السلام کے خلاف وہ خاموش حربہ استعمال کیا گیا جو سلطنت بنی امیہ میں اکثر صرف کیا جا رہا تھا۔ امیر شام نے اشعث ابن قیس کی بیٹی جعدہ کے ساتھ جو حضرت امام حسن علیہ السلام کی زوجیت میں تھی ساز باز کر کے ایک لاکھ درہم انعام اور اپنے فرزند یزید کے ساتھ شادی کا وعدہ کیا اور اس کے ذریعہ سے حضرت کو زہر دلوایا۔ امام حسنؑ کے کلیجہ کے ٹکڑے ہو گئے اور حالت خراب ہوئی۔ آپ نے اپنے بھائی امام حسینؑ کو پاس بلایا اور وصیت کی کہ اگر ممکن ہو تو مجھے جدِ بزرگوار رسولِ خدا کے جوار میں دفن کرنا۔ لیکن اگر مزاحمت ہو تو ایک قطرہ خون گرنے نہ پائے۔ میرے جنازے کو واپس لے آنا اور جنت البقیع میں دفن کرنا۔ ۲۸ صفر ۵۰ھ کو امام حسنؑ دنیا سے رخصت ہو گئے۔ حسینؑ حسبِ وصیت بھائی کا جنازہ روضۂ رسولؐ کی طرف لے گئے مگر جیسا کہ امام حسنؑ کو اندیشہ تھا وہی ہوا۔ ام المومنین عائشہ اور مروان وغیرہ نے مخالفت کی نوبت یہاں تک پہنچی کہ مخالف جماعت نے تیروں کی بارش کر دی اور کچھ تیر جنازہ امام حسنؑ تک پہنچے۔ بنی ہاشم کے اشتعال کی کوئی انتہا نہ تھی مگر امام حسین علیہ السلام نے بھائی کی وصیت پر عمل کیا اور امام حسن علیہ السلام کا تابوت واپس لا کر جنت البقیع میں دفن کر دیا۔

علی نقی النقوی